ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.1 (2025)
(January to March)

عہدِ حاضر کی اُردو غزل میں رقیب کی مختلف جہات بحوالہ فیض احمد فیضؔ

Different aspects of the "REQQEEB"in contemporary Urdu Gazal with Faiz Ahmad Faiz

کشور شریف
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نادرن یونی ورسٹی، نوشہرہ
ڈاکٹر منوّر ہاشمی
چیئرمین، شعبہ اُردو، نادرن یونی ورسٹی، نوشہرہ

Kishwar Sharif
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Northern University, Noshera
Dr. Manwar Hashmi
Chairman Department of Urdu, Northern University, Noshera

Abstract:
Love is a universal and cosmic emotion that has inevitably brought its opposite "rivalry" into the world. The word rivalry originates from "RAQQEEB"in Persian, it means "the enemy of love", in Arabic, it means "a guardian"; and in Urdu, it refers to the rivalry or mutual envy between two lovers for the same beloved. The "RAQQEEB"is a central and controversial figure in the classical Urdu Ghazal. Within its traditional triangular structure (lover, beloved, rival), the raqeeb is indispensable. Without the rival, the system of love appears colorless and insipidjust as the world's order would seem dull without the existence of Satan.A study of the classical tradition, from Wali Dakhni to Dagh Dehlvi, reveals the multidimensional role of the "RAQQEEB"Classical poets gave this figure remarkable strength, portraying the intensity and fervor of the rival's emotions through metaphors, similes, and diverse literary devices.They also addressed the"RAQQEEB"by many other names, such as moralist, messenger, preacher, hypocritical ascetic, and even lustful elder.

Keywords: cosmic emotion, the enemy of love, controversial figure, classical tradition, figure remarkable, hypocritical ascetic, lustful elder

اُردو شاعری کے آغاز اور بالخصوص ریختہ سے غزل کے قالب میں تبدیلی تک اردو غزل اپنے احساسی کرداروں کا تعین کر چکی تھی۔اردو غزل کی فارسی غزل میں پیوستگی اور لغوی اعتبار سے اس کے معنی اگر "حرف بازنان گفتن" قرار پائے تو محبوب اور محب کے ساتھ ساتھ رقیب تیسرا لازمی کردار پایا، جس کی حرکت، حدّت اور شدّت سے غزل معنوی تکون مکمل ہوئی۔

عاشق، معشوق اور رقیب کی یہ مثلث
ہر دور میں اور ہر ایک ملک میں مشترک ہے(۱)

کلاسیکی اُردو شاعری میں امیر خسرو سے داغؔ دہلوی تک اس کردار کے ہر گوشے کی کماحقہٗ نمائندگی اردو غزل میں نظر آتی ہے لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال اور برصغیر میں مختلف تحریکات کے سبب یہاں کے غزل گو شعراء محض شمع و شاعر اور گل و بلبل کے تذکروں سے باہر نکل کر زندگی اور سماج کی کشمکش میں شامل ہونے پر مجبور ہوئی۔ یوں داغؔ دہلوی کی نمایاں شاگرد اقبال اپنی شاعرانہ عظمت کے باوجود کلاسیکی اردو غزل میں شامل نہ ہو سکے کیوں کہ ان کے ہاں ٹھہراؤ کی بجائے طلاطم، انفعالیت کی بجائے تگ و تاز اور ایک گوشت پوست کے انسان کی پرستش کی بجائے اعلیٰ انسانی قدروں اور آزادی کے حصول کی بازگشت نظر آتی ہے۔ اقبال کی شاعری کے آغاز کے آس پاس کے زمانے یعنی بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آغاز ۱۹۱۱ء میں فیضؔ پیدا ہوئے جو آگے چل کر ترقی پسند تحریک کے بانیوں میں شمار ہوئے لیکن ترقی پسند وہ ہونے اور مارکسی خیالات کا عملی نمونہ پیش کرنے کے باوجود وہ مزاجاً کلاسیکی مزاج اور رومانوی طبیعت کے حامل تھے:

> "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فیضؔ کی بڑائی اور خوبی اس میں ہے کہ اُنھوں نے رومانویت اور کلاسیکیت کو ایک کر دیا ہے" (۲)

بعض نقادوں نے فیض احمد فیضؔ کو جدید کلاسیکی کا بانی کہا ہے:

> "جدید شاعری پر فیضؔ کے اثرات کافی حد تک ملتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ کہ وہ جدید تقاضوں اور عصری موضوعات کو فن کارانہ چابک دستی سے موضوع شعر بناتے اور ساتھ ہی اپنی روایت سے بھی انھوں نے رشتہ قائم رکھا بلکہ کلاسیکی روایت کو اپنے عہد کے پیرایہ اظہار سے ہم آہنگ کرتے رہے" (۳)

اسی بنا پر حافظؔ اور غالبؔ کی اقتداء انہوں نے شعوری اور لاشعوری ہر دو لحاظ سے کی حتیٰ کہ ان کے شعری مجموعوں کے نام بھی انہی دو اکابر شعراء کی شرحی تراکیب سے مستعار لیے گئے:- اسی مزاج کی نمائندگی کرتے ہوئے اُن کی غزل میں رقیب اپنی مختلف جہات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اگرچہ یہ "رقیب" کلاسیکی کی غزل کے رقیب سے مختلف جہات رکھتا ہے۔ اردو غزل کے دیگر روایتی کرداروں کی طرح رقیب کا کردار بھی اپنے اندر تنوّع اور تغیر رکھتا ہے۔ عہدِ حاضر میں وہ محض محبوب اور محب کے درمیان دخل در معقولات کا کام ہی نہیں کرتا بلکہ سماج میں ترقی پسندانہ رجحانات کی حوصلہ شکنی اور اقتدار سے قربت خاک بسر حیواں کو مسلسل محروم رکھنے اور قدامت پسندی کا جواء مسلسل ان کی گردنوں میں ڈالے رکھنے میں ایک معاون کردار بھی ہے۔ ہر شاعر اپنے خطّے، عہد اور ماحول کا عکّاس ہوتا ہے۔ اس کی قلم سے وہی کچھ صفحہ قرطاس پہ رقم کر رہا ہوتا ہے جو معاشرے ہو رہا ہوتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر سنبل نگار لکھتی ہیں:

> "اردو غزل میں لفظ تو وہی استعمال ہوتے رہے۔ عاشق، معشوق، رقیب، ہجر و وصال لیکن معنی بدلتے رہے۔ اپنے عہد کے شاعر فیضؔ کی مثال لے لیجئے۔ اُن کی شاعری میں یہ علامتیں ضرور استعمال ہوئی ہیں مثلاً معشوق سے مراد ملک و قوم، عاشق سے مراد محب وطن اور رقیب سے مراد ملک و قوم کے دشمن ہیں" (۴)

فیض کا پہلا مجموعہ "نقش فریادی" ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ فیض کی ابتدائی اور رومانوی شاعری اور افتادِ طبع کا ترجمان ہے۔ اس میں رقیب کے کردار کی پیوستگی، ماضی کے کلاسیکی کرداروں سے مماثلت رکھتی ہے:-

برس رہی ہے حریم ہوس میں دولتِ حسن
گدائے عشق کے کاسے پہ اک نظر بھی نہیں(۵)

اسے حسنِ اتفاق کہا جائے کہ اگلے تین صفحات پر وہ معروف نظم ہے جس کے جس کا عنوان ہی "رقیب سے" ہے اور جس میں اردو غزل کے روایتی رقیب سے ہٹ کر بالکل ایک نیا کردار پیش کیا گیا ہے۔ جس میں رقیب کی شخصی خصوصیات اور اس کے مقام کا اعتراف اس کی محبوب سے قربت کے باعث اس کی قبولیت اسے حریمِ حسن کا رازدار مان کر اس سے درد مندی کی توقع کرنا اور اسے عاشق کے ساتھ درد کے رشتے میں سانجھ کے سبب قابل قدر گردانا گیا ہے۔ اگرچہ نظم کے دوسرے حصے میں شاعر نے موضوع سے گریز کرتے ہوئے سماجی ناانصافی عدم مساوات اور استحصال کا بیان کرتا ہے لیکن اس سے قبل وہ اس امر کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ رقیب بھی اس میں برابر کا شریک ہے۔ اردو شاعری میں جس طرح اقبال نے ابلیس کے کردار کو پُر عظمت اور قابلِ رشک بنا کر پیش کیا ہے یہی معاملہ فیض نے رقیب کے بارے میں اختیار کیا اور اسے ایک معتوب، مغضوب اور راندہ درگاہ کے پیوست مقام سے اٹھا کر عاشق کا کے برابر ایک شاندار سماجی کردار بنا کر پیش کیا:

تجھ سے کھیلی ہیں محبوب ہوائیں جن میں
اس کے ملبوس کی افسردہ مہک باقی ہے
تجھ پہ بھی برسا ہے اس بام سے مہتاب کا نور
جس میں بیتی ہوئی راتوں کی کسک باقی ہے(۲)

محبوب کے کوچہء بام اور دیوار و در کا ایک رومان انگیز تصور ہمیشہ محب کے ذہن میں رہتا ہے وہ اسے اپنے سوا کسی سے بھی بانٹ نہیں سکتا۔ اس کوچے میں گزرے لمحات عاشق کا ایک ایسا اثاثہ ہوتے ہیں جس کے سہارے وہ اپنی زندگی کے شب و روز بسر کرتا ہے لیکن فیضؔ نے ان ساری کیفیات کو رقیب سے ایک مشترکہ میراث کے طور پر بانٹ کر نہ صرف رقیب کا مقام بلند کیا بلکہ فیض نے عاشق کی عزت و تکریم اور مقام کو بھی عزت بخشی۔ عاشق کے لیے میں محبوب کے ساتھ بیتا ہوا ایک لمحہ بھی ایسی ذاتی امانت ہوتی ہے جس سے وہ کسی طور دستبردار نہیں ہو سکتا لیکن فیض نے عشق کو عاشق کی ذاتی جاگیر کی بجائے ایک کائناتی اوراور آفاقی مسرت سمجھ کر رقیب تک کو اس تجربے میں شامل کر لیا ہے۔ وہ غمِ الفت کے احسانات کو رقیب کے ساتھ ایک احسان کی صورت بانٹتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کو اس قابل نہیں سمجھتے جس کے ساتھ اس احسان کا تذکرہ کر سکیں کیوں کہ محبت کے سورج زیاں کے تجربے اور واردات کوئی ایسا عمل نہیں جسے ہر ہما شما کو بیان کیا جا سکے کیوں کہ محبت میں کھونے اور پانے کا تصور جداگانہ ہے۔ یہاں کامیابی اور ناکامی لغت سے ہٹ کر الگ معنی رکھتے ہیں اور ان معنی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس تجربے سے گزرا ہو کیوں کہ محبت دشمن کو بھی دوست بنا سکتی ہے اور محبوب کا مشترک ہونا ایک احساس ہے جس سے صرف عاشق یا رقیب ہی باہم بانٹ سکتے ہیں۔

ہم پہ مشترکہ ہیں احسان غمِ الفت کے
اتنے احسان کہ گِنواؤں تو گِنوا نہ سکوں

ہم نے اس عشق میں کیا کھویا ہے کیا سیکھا ہے
جُز ترے کو سمجھاؤں تو سمجھا نہ سکوں(۷)

فیضؔ کو بجا طور پر رومان اور انقلاب کے امتزاج کا شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں عاشق اور رند ہیں، جس کا محتسبِ شہر سے یک گُنا تعلق ہے۔ دونوں باذوق بھی ہیں اور ہم نوالہ اور ہم پیالہ بھی ہیں اس لیے ان میں روایتی چشمک اور مغیرات اب نہیں رہی:

تم کہو رند و محتسب میں ہے آج شب کون فرق ایسا
یہ آکے بیٹھے ہیں میکدے میں، یہ اُٹھ کے آئے ہیں میکدے سے(۸)

یہ عاشق ناصح سے ضد اور ناصح کا مسلسل نصیحت کیے جانا کلاسیکی کی اردو غزل کا ایک مستقل مضمون رہا ہے۔ اگرچہ عہدِ حاضر میں غزل کے یہ روایتی کردار اپنے اندر پہلی سی توانائی اور رعنائی تو نہیں رکھتے لیکن فیضؔ کی غزل میں ان کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے:

ہوئی ہے حضرتِ ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گزری ہے(۹)

فیضؔ کی غزل میں عاشق کا روایتی بھول پن کہیں کہیں ان کی کلاسیکی اردو غزل سے پیوستگی کی غمازی کرتا ہے، جس میں عاشق اپنے تمام تر تلخ تجربات کے باوجود ذکرِ محبوب اور کوچہء محبوب کے نام پر پھر سے دھوکا کھا بیٹھتا ہے:۔

ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جو اب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں(۱۰)

عاشق کی یہی سادہ دلی غزل میں اس کے بدلتے ہوئے کردار کے باوجود ماضی و حال کا ایک مستقل کردار بن جاتی ہے، جو محبت کے نام پہ سب کچھ بھلا بیٹھتا ہے۔ فیضؔ اردو غزل کے کلاسیکی شعراء میں اپنی رنگارنگی کے سبب میرؔ سے زیادہ سوداؔ کے قریب نظر آتے ہیں۔ سوداؔ کی زمین میں اپنی یہ غزل میں وہ انہی کے مضمون مانتے نظر آتے ہیں:۔

فکرِ دلدارِ یِء گلزار کروں یا نہ کروں
ذکرِ مرغانِ گرفتار کروں یا نہ کروں
قصہء سازشِ اغیار کہوں یا نہ کہوں
شکوۂ یارِ طرحدار کروں یا نہ کروں(۱۱)

فیضؔ دوست دشمن میں ایک قدر مشترک یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک دشمن پیدائشی نہیں ہوتے، دوست بعد میں دشمن کا روپ دھار لیتے ہیں ورنہ دلِ نازک مقامات دوست ضرب لگاتے ہیں وہ دشمن کے گمان میں بھی نہیں ہوتا:

وہیں لگی ہے جو نازک مقام تھے دل کے
یہ فرق دستِ عدو کے گزند کیا کرتے
جگہ جگہ پہ تھے ناصح تو کُو بکُو دلبر
اِنہیں پسند ،اُنہیں ناپسند کیا کرتے(۱۲)

عہدِ حاضر میں سماجی کرداروں کی بدلاؤ اور ان کے ناقابل بھروسہ ہونے پر نوحہ کناں ہیں۔ وہ بات پہ شاکی ہیں کہ کوئی بھی شخص اپنے مقام پر ثابت قدم نہیں جس سے اس کے مقام کے مطابق توقع رکھی جائے اور سلوک کیا جائے:

بنے ہیں اہلِ ہوس، مدعی بھی ،منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں
گر آج اُوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں(۱۳)

فیضؔ عاشق کی صداقت اور مستقل مزاجی پر آج بھی یقین رکھتے ہیں اس لیے ان کے ہاں مایوسی کی جگہ امید اور فرار کی جگہ استقامت ہے:

ہے خبر گرم کہ پھرتا ہے گریزاں ناصح
گفتگو آج سرِ کوئے بتاں ٹھہری ہے
دستِ صیّاد بھی عاجز ،ہے کفِ گلچیں بھی
بوئے گل ٹھہری ہے نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے(۱۴)

فیضؔ نے عہد حاضر میں نہ انصاف حکمرانوں کو بھی شعور کا دشمن اور رقیب قرار دے کر ان کی مذمت کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس امر پر بھی رنجیدہ ہیں کہ ان کے ساتھی اور انقلاب کے داعی بھی امیر شہر کی بیعت کر رہے ہیں اور ایسا وہ خطیبِ شہر کی ایما پر بھی کرتے ہیں:

شیخ صاحب سے رسم راہ نہ کی
شکر ہے زندگی تباہ نہ کی
کون قاتل بچا ہے شہر میں فیضؔ
جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی(۱۵)

فیض احمد فیضؔ نے شیخ ،واعظ، نامہ بر اور محتسب کے روایتی کرداروں سے ہٹ کر کچھ نئی تراکیب سے بھی ترقی اور فکر کے دشمن قوتوں کو تنقید کا نشانہ بنایا:

غرور سرو و سمن سے کہہ دو کہ پھر وہی تاجدار ہوں گے
جو خار و خس والیِ چمن تھے عروجِ سرو سمن سے پہلے(۱۶)

فیضؔ بدترین حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور رقیبوں کے طنزیہ فکروں اور رکیک جملوں کو بھی ہنس کر سہہ جانے کا ہنر رکھتے ہیں اور یہ حرفِ ملامت، صاحبانِ حشمت و جاہ کی ہے نہ کہ روایتی رقیب کی:

دل مدّعی کے حرفِ ملامت سے شاد ہے
اے جانِ جاں !یہ حرف تیرا نام ہی تو ہے(۱۷)

فیضؔ کے اندر کا عاشق محض مصلحت پسند اور بزدل نہیں بلکہ اپنے اندر بغاوت اور للکار بھی رکھتا ہے، عاشقوں کا قرینہ حرب و ضرب بھی ہے:

اب کوچۂ دلبر کا رہرو،راہزن بھی بنے تو بات بنے
پہرے سے عدو ٹلتے ہی نہیں اور رات برابر جاتی ہے(۱۸)

فیضؔ میں بدلتے ہوئے سیاسی اور سماجی حالات اور عہدِ حاضر کے تناظر میں رقیب کے کردار کی نئی جہات کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ جس میں تغزل بھی ہے اور اصلی شعور کی نمائندگی بھی:

واعظ ہے نہ زاہد ہے ،ناصح ہے نہ قاتل ہے
اب شہر میں یاروں کی کس طرح بسر ہوگی(۱۹)

اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیضؔ اپنے رقیبوں اور نقطہ چینوں کے بغیر زندگی کو کتنا دشوار سمجھتے ہیں، بقول مرزا اسد اللہ خاں غالب:

شوق ہر رنگ رقیب سر وسا ماں نکلا(۲۰)

اسی انداز کے ایک اور شعر میں فیضؔ نے اپنے واہموں کو خوش کُن تصوّر کے پیرائے میں اس طرح بیان کیا ہے:

فیضؔ کیا جانئے یا رکس آس پر منتظر ہیں کہ لائے گا کوئی خبر
میکشوں پر ہُوا محتسب مہرباں ،دل فگاروں پہ قاتل کو پیار آگیا(۲۱)

فیضؔ اس عہد کے مسائل یعنی تنہائی اور محفل آرائی دونوں کے آشوب سے آگاہ ہیں اور نہ صرف اس کی اذیت سے گزرے ہیں بلکہ اپنے قاری کو بھی اس کیفیت میں شامل کر کے دکھایا ہے:

گھر رہئے تو ویرانیِ دل کھانے کو آوے
رہ چلئے تو ہر گام پہ غوغائے سگاں ہے
یااہل جنوں یک بہ دیگر دست و گریباں
واں جیشِ ہوّس تیغ بکف در پئے جاں ہے(۲۲)

درج والا اشعار ایک سوچنے والے احساس انسان پر بیتنے والے حالات کے ترجمان ہیں اور اس کیفیت سے مفر کوئی انسان نہیں بقول غالبؔ:

تاب لائے ہی بنے گی ،غالبؔ!
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز(۲۳)
نہ اب رقیب نہ نا صح نہ غم گسار کوئی
تم آشنا تھے تو تھیں آشنائیاں کیا کیا(۲۴)

اگرچہ ولیؔ دکنی سے فیضؔ تک آتے آتے غمِ جاناں کئی رخ اور رنگ بدل چکا تھا لیکن محبوب کی ہستی اس عہد میں بھی عاشق کے لیے ایک مضبوط ڈھارس تھی جس کے سبب معاشرے کے کئی کردار اس سے جڑے ہوئے تھے اور اس کے جیون کو اپنے رنگوں سے رنگینی بخش رہے تھے۔ انہی کرداروں میں ایک کردار رقیب کا بھی تھا جو کبھی اپنی رقابت کبھی ناصحانہ انداز اور کبھی اپنے نام نہاد غم گساری سے عاشق کو اپنی روش بدلنے پر آمادہ کرتا اور عاشق سے اسی ہمہ جہت تعلق کی بنا پر اس کی شہر بھر سے آشنائی بھی رہتی اور شناسائی بھی اور محبوب کے بچھڑ جانے اس کے شہر سے اس افسانے کے سارے کردار گویا زندگی سے موت کی گھاٹ اتر گئے:-

امتحان جب بھی ہو منظور جگرداروں کا
محفلِ یار میں ہمراہ رقیباں چلیے(۲۵)

فیضؔ کے نزدیک عاشق وہ جگر داروں کا قبیلہ ہے جو سخت سے سخت صدمات سہہ کر بھی اپنی جواں مردی، ہمت اور مسکراہٹ نہیں چھوڑتے اور عاشق کی سب سے بڑی دلیری اور جگر داری یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کی محفل میں رقیب کے ہمراہ جائے جہاں اسے سو فیصد اس بات کا یقین ہو کہ اس کے مقابلے میں رقیبوں کی پذیرائی کہیں زیادہ ہو گی لیکن وہ پیٹھ دکھانے سے زیادہ اپنا جگر آزمانے کو عاشقوں کی شایانِ شان سمجھتا ہے اور اس امر کو فیض عشاق کی جیت قرار دے کر اپنی فتح قرار دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ابو الاعجاز صدیقی، مرتب: تنقیدی اصطلاحات، مقتدر قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص: ۶

۲۔ نبی، اطہر، مرتبہ، شخص اور شاعری، فیض احمد فیضؔ، سمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۵۰

۳۔ نصرت چودھری، ڈاکٹر، فیض احمد فیضؔ روایت اور انفرادیت، سمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۲۳

سنبل نگار، ڈاکٹر، اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص: ۵۴۷

۵۔ فیض احمد فیضؔ، "نسخہ ہائے وفا" مکتبۂ کارواں کچہری روڈ لاہور، ۱۹۸۶ء، ص: ۶۷

۶۔ ایضاً، ص: ۶۹

۷۔ ایضاً، ص: ۶۹

۸۔ ایضاً، ص: ۱۱۰

۹۔ ایضاً، ص: ۱۳۲

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۳۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۴۱

۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۴۷

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۶۲

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۶۵

۱۵۔ ایضاً، ص: ۲۳۵

۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۴۰

۱۷۔ ایضاً، ص: ۲۵۷

۱۸۔ ایضاً، ص: ۲۶۷

۱۹۔ ایضاً، ص: ۳۴۲

۲۰۔ رام مالک، دیوانِ غالب، (مرتب) غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلی، ۱۹۷۹ء، ص۔۴۴

۲۱۔ ایضاً، ص: ۳۴۹

۲۲۔ ایضاً، ص: ۴۱۱

۲۳۔ رام مالک، دیوانِ غالب، (مرتب) غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلی، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۰۱

۲۴۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، لاہور، مکتبۂ کارواں، ۱۹۸۶ء ص: ۵۲۶

۲۴۔ ایضاً، ص: ۶۴۹

References in Roman Script:

1. Abul Ijaz Siddiqi, murattib: Tanqeedi Istilahaat, Muqtadra Qaumi Zaban, Islamabad, 1985, p. 6
2. Nabi, Athar, Martaba, Shakhs aur Shayari, Faiz Ahmad Faiz, Samant Prakashan, Nai Dilli, 1991, p. 50
3. Nusrat Chaudhry, Doctor, Faiz Ahmad Faiz*:* Riwayat aur Infiradiyat, Samant Prakashan, Nai Dilli, 1991, p. 323
4. Sanbal Nagar, Doctor, Urdu Shayari ka Tanqeedi Mutala‘a, Fiction House, Lahore, 2020, p. 754
5. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha Haye Wafa, Maktaba Karwan, Kacheri Road, Lahore, 1986, p. 67
6. Ibid., p. 69
7. Ibid., p. 69
8. Ibid., p. 110
9. Ibid., p. 132
10. Ibid., p. 133
11. Ibid., p. 141
12. Ibid., p. 147
13. Ibid., p. 162
14. Ibid., p. 165
15. Ibid., p. 235
16. Ibid., p. 240
17. Ibid., p. 257
18. Ibid., p. 267
19. Ibid., p. 342
20. Ram Malik, Diwan-e-Ghalib (Murattib), Ghalib Institute, Nai Dilli, 1979, p. 44
21. Ibid., p. 349
22. Ibid., p. 411
23. Ram Malik, Diwan-e-Ghalib (Murattib), Ghalib Institute, Nai Dilli, 1979, p. 101
24. Faiz Ahmad Faiz, Nuskha Haye Wafa, Lahore, Maktaba Karwan, 1986, p. 526
25. Ibid., p. 649